برصغیر میں مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب کے علمی و فکری اثرات

Scholastic and Theoretical Impact of Muslim Christian Dialectic Literature in Sub-continent

ڈاکٹر محمد ریاض محمود☆

ڈاکٹر محمد صدیق☆☆

Abstract

The Indian Sub-continent has been a magic place for hundreds of years for the entire world for its vast area, fertile land and natural resources. The references of Sikandar-e-Azam, Muhammad Bin Qasim, Sultan Mahmood Ghaznavi, Shahab-ud-Din Ghouri and Zaheer-ud-din Babar reflect its historical, religious, social, cultural, civilizational and economic significance in the world history. The Mughal Rulers had emerged here as conquerers but they did not remain mere attackers after their great conquest over the Indians. They became natives here and gave the local people the status and rights which they deserved. Another invader external nation The British, also came here who set aside all the moral values. They took hold of the trade, commerce and political power in disguise of traders. They used their religion for the solidarity of their political rule. They raised many stigmas and objections against the Islamic teaching to propagate against Islam. The Muslim scholars countered this sheerly partial and false propaganda against the great religion of the Universe, Islam, at every forum. "The Muslim-Christian political Discourse" emerged because of this political upheaval between these two nations. This literature has great significance in the history of the religions of the world. This literature has left crystal clear and vast effects in the religious, social, political and economic fields of life of the sub-continent. It has been tried to fulfil the literary, historical, academic and educational need of the readers in the article "The Effects of Muslim-Christian Polemical Literature in the Sub-Continet".

☆لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، پاکستان۔

☆☆سابق چیئرمین شعبہ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان، پاکستان۔

برصغیر پاک وہند کا خطہ اپنے وسیع رقبہ،زرخیز زمین، سر بفلک پہاڑوں، دل نشین وادیوں، سرسبز وشاداب میدانوں، ہرے بھرے لہلاتے کھیتوں، پُرکیف باغات اور معدنی وسائل کی وجہ سے ہزاروں سال سے بیرونی دُنیا کے لیے باعثِ کشش چلا آرہاہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان کے بقول:

"اس ملک کی بے نظیر زرخیزی کی بدولت بہت سے موانع کے باوجود اقوام عالم نے کئی ہزار سال کے اندر اس پر بیس دفعہ دھاوا کیا"[۱]۔

اس سرزمین سے متعلق سکندرِ اعظم، محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور ظہیر الدین بابر کے حوالہ جات اس کی تاریخی، مذہبی، تمدنی اور معاشی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔پہلا مغل حکمران ظہیر الدین بابر لکھتاہے:

"ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے اس میں سوناچاندی بہت ہے"[۲]۔

مغلیہ خاندان کے پانچویں حکمران شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے زمانے میں جب شاندار اور خوبصورت عمارات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوااور نقرئی چھتوں اور قیمتی پتھروں سے مرصع دیوانِ خاص بن کر تیار ہوا تواس کی دیواروں پر سعد اللہ خان کا یہ شعر کندہ کیا گیاجو بیرونی اقوام کے خیالات وجذبات کی ترجمانی کررہاہے:

اگر فردوس برروئے زمین است   ہمیں است وہمیں است وہمیں است[۳]۔

مغل حکمران فاتح کی حیثیت سے یہاں آئے تھے مگر فتح کے بعد محض حملہ آور نہ رہے،وہ اس سرزمین کے مکین ہوگئے اور یہاں کے مفتوح باشندوں کو وہی مقام ومرتبہ عطا کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ معروف خاتون مؤرخ ANNIE BESANT کے الفاظ میں:

"اس ملک پر بارہایورشیں ہوئی ہیں لیکن ہر بار ان بیرونی حملہ آوروں نے اسی خطے کو اپنا مسکن بنالیااور اسی کے فرزند بن گئے۔انہوں نے اس کے ساتھ رشتہ اخوت قائم کرلیااور مقامی باشندوں کے لیے حکومت کے سارے دروازے کھول دیئے"[۴]۔

اس سرزمین پر ایک بیرونی قوم ایسی بھی آئی جس نے تمام اخلاقی ضابطوں کو نظر انداز کر دیا۔انگریز تجارت کے بہانے حکومت وسیاست پر قابض ہوگئے۔ان فرنگی نوواردوں نے پُرفریب سازشوں اور دھاندلیوں کا ارتکاب کیا۔اپنی سازشوں اور دھاندلیوں کو تحفظ دینے اور اپنی تجارت، سیاست اور حکومت کو استحکام دینے کی غرض سے مذہب کا سہارا لیا گیا۔ اپنے مذہب یعنی مسیحیت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی چنانچہ اسلام کو

بدنام کرنے کے لیے اس کی تعلیمات پر بے جا اعتراضات لگائے گئے، جن کا علمی و عقلی جواب مسلمان علماء نے دیا۔ فکرِ اسلامی اور مسلم تشخص کے تحفظ کے لیے برصغیر میں علمائے اسلام کا کردار تاریخی نوعیت کا رہا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء میں میدانِ سیاست میں مسلمانوں کی مکمل پسپائی کے بعد مسلم علماء نے اسلامیانِ ہند کو تہذیبی ارتداد سے بچانے کے لیے شاندار کوششیں کیں۔ کسی بھی قوم کے فکر و فلسفہ کے نفوذ میں ان کا سیاسی غلبہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مفتوح اور مغلوب قوموں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ فاتح اور غالب قوم کی فکر و فلسفہ اور تہذیب کو اپناتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی ناکامی کے باوجود اسلام روحانی، معاشرتی اور تمدنی زندگی سے بے دخل نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس عام مسلمانوں میں بھی دین کے تحفظ کا احساس اجاگر ہوا۔ عام لوگوں میں دین کے تحفظ کا داعیہ بیدار کرنے میں سب سے اہم کردار علمائے اسلام کا ہے، جنہوں نے اس دور میں ایسا مذہبی ادب تخلیق کیا جس نے اسلام کے بارے میں مسیحی پادریوں کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کے اثرات کا نہ صرف خاتمہ کیا بلکہ جدید مغربی فکر و فلسفہ کی خامیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنا کر اس کی کمزوریوں کو عیاں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے دینی ادب میں مناظرانہ اسلوب نمایاں ہے، جس میں دلائل کے ساتھ ساتھ جذبات کا عنصر بھی موجود ہے۔

ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اگر برصغیر میں اکابرینِ اسلام یہ کردار ادا نہ کرتے تو شاید برصغیر کی تاریخ اسپین اور وسط ایشیائی ریاستوں سے مختلف نہ ہوتی۔ جہاں غالب قوموں نے اہلِ اسلام اور ان کی تہذیب کو تاریخ کے اوراق تک محدود کر دیا تھا۔ انگریز حکمرانوں نے ماضی کی یہ تاریخ ہندوستان میں دہرانے کی پوری کوشش کی۔ انگریزوں نے اپنے سامراجی مقاصد کے حصول کے لیے ہندوستان میں مسیحی مذہب کے پرچار کی زبردست حوصلہ افزائی کی۔ اور اس کے فروغ کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے یورپی مبشرین نے مسیحیت کی نشرواشاعت کے نام پر پورے برصغیر میں سکول کھولے اور شہری و دیہی علاقوں میں مسیحی سرگرمیوں کا جال پھیلانے کے لیے مسیحی منادوں نے زبردست کوششیں کیں۔ مسیحی مبلغین نے اپنے مذہب کی خوبیوں کے بیان پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسلامی تعلیمات اور مسلم تہذیب و تمدن کی مذمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مسیحی مبلغین کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کر مسیحیت میں داخل ہو جائیں، یا کم از کم وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے دعویٰ ہی سے دست بردار ہو جائیں۔ مسیحی مناظرین نے اسلام پر ہمہ جہت حملے کئے تاکہ عام مسلمانوں کو مذہبی اعتبار سے تشکیک و تذبذب میں مبتلا کر دیا جائے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر ناپاک حملے کئے گئے۔ آئے روز مسیحی مناد مدارس، شفاخانہ جات اور

دیگر رفاہی سرگرمیوں کی آڑ میں مقامی آبادی کے عقائد پر تنقید کرتے اور مسلمان علماء کو مناظروں کی دعوت دیتے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف تقریری مناظروں کی صورت میں بلکہ تحریری مناقشوں کی صورت میں بھی مختلف اسلامی موضوعات پر مسلم علماء کو چیلنج کیا۔ پادریوں کے پیش نظر صرف مسیحیت کی تبلیغ ہی نہ تھی بلکہ ان کا بنیادی مقصد حکومتِ وقت کا سیاسی اور سماجی استحکام تھا، دوسری طرف انہوں نے چاہا کہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلا کر مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلام اور اس کے آفاقی پیغام کے بارے میں شکوک و شبہات سے دوچار کر دیا جائے، لہٰذا انہوں نے مشنری کاموں کی آڑ میں مسلمانوں کو مذہبی، تہذیبی اور فکری اعتبار سے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے قرآن، حدیث، سیرت النبی اور اسلامی علمی ورثہ کو اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے متشکل کرنے کی کوششیں کیں۔

اس پس منظر میں علمائے اسلام نے مسیحی مشنریوں کی خرافات کا تحریری اور تقریری جواب دیا اور علمی و فکری محاذ پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مقام و مرتبہ اور حقوق کی تعلیم و اشاعت کے لیے بے پناہ کام کیا۔ برصغیر کے اہلِ علم نے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے عقلی و نقلی دلائل سے ایسا عظیم الشان ادب تخلیق کیا جس کی اہمیت و افادیت آج بھی مسلم ہے۔ انہوں نے ہر محاذ پر عیسائی پادریوں کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے تقریری مناظروں کا تقریری صورت میں اور تحریری اعتراضات کا تحریری صورت میں جواب دیا۔ اس مذہبی کشمکش کے نتیجے میں برصغیر میں مسلم ۔ مسیحی مناظرانہ ادب وجود میں آیا۔ یہ ادب مذاہب کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور علم و فکر کے میدان میں اس کے اثرات بہت وسیع ہیں۔ ان میں سے چند اہم اثرات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ مسیحی مناظرین کی طرف سے اسلام پر لگائے گئے اعتراضات کا علمی جواب

برصغیر میں مسیحیوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے دو اسالیب اختیار کیے، پہلا اسلوب مسیحی تعلیمات کی اشاعت تھا، اس کے لیے انہوں نے تورات، زبور اور انجیل کے اردو تراجم و تفاسیر پر توجہ دی نیز مسیحی تعلیمات کی اثر پذیری کو عقلی دلائل کی مدد سے ثابت کرنے کے لیے کتابیں اور رسائل تحریر کیے۔ دوسرا اسلوب برصغیر کے سابق حکمرانوں کے مذہب یعنی اسلام پر الزامات و اعتراضات لگانے کا تھا تاکہ عام مسلمان اسلامی عقائد و تعلیمات سے متنفر ہو کر مسیحیت قبول کر لیں یا کم از کم اپنے عقائد و نظریات سے متعلق وہم، تشکیک اور بے یقینی کا شکار ہو جائیں۔ مسیحیوں کی اس منفی تبلیغی روش کی وضاحت امداد صابری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عیسائی لوگوں سے کہتے کہ آپ لوگ دین عیسوی کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس نے اپنی امت پر جان قربان کر دی اور آپ کو خدا سے بخشوا کر نجات دلائی؟ اور جناب محمد رسول اللہ باوجودیکہ زاری وعاجزی کر کے اپنے والدین اور چچا ابو طالب کی جس نے آپ کو پرورش کیا تھا اور حین حیات تک آپ کے حامی رہے، مغفرت چاہی مگر خدائے تعالیٰ نے منظور نہیں کیا تو آپ لوگوں کو کیا امید ہو گی اپنے نبی سے؟ پس یہ کلمات عیسائیوں کے، ہمارے مسلمان اپنے علماء سے دریافت کرتے ہیں تو وہ بھی اس طرح کہتے ہیں کہ ہاں ان کے حق میں شفاعت منظور نہیں ہوئی تو اہل اسلام نہایت پریشان ہو جاتے ہیں اور ان کے خیال میں خلل پڑتا ہے"[۵]۔

مسیحی پادریوں کے خلافِ اسلام مناظروں کا مقصد تلاش واظہارِ حق نہیں تھا۔ قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف رسالتِ محمدیہ ﷺ کی توہین کر کے امتِ مسلمہ کو ذہنی کوفت سے دوچار کرنا چاہتے تھے، یقیناً مسلمانوں کو دی جانے والی اس ذہنی اذیت کے مسیحیوں کے ہاں بہت سے سیاسی ومعاشرتی مقاصد ہوں گے۔ مسیحیوں کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کا احترام نہ کرنے کے بیسیوں واقعات کتب تاریخ میں محفوظ ہیں، امداد صابری ایک مناظرے کی روداد بیان کرتے ہیں:

"سید آل حسن کے ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۵ء کے درمیان ہونے والے گیارہ خطوط پر مبنی فانڈر کے تحریری مباحثہ کو مسیحی نقطہ نظر سے ۱۸۴۵ء میں میر زاپور سے شائع کیا گیا۔ جب کہ اسی سال سید آل حسن نے ان خطوط کو اپنی تنقیدات کے ساتھ "کتاب الاستفسار" کے نام سے شائع کیا۔ یہ مناظرہ خود فانڈر کی درخواست پر ہوا تھا۔ اس میں اہم بات پادری فانڈر کا شرائط مناظرہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے تعظیمی الفاظ استعمال کرنے سے انکار تھا۔ مولانا آل حسن نے اپنے خط میں شرائط رکھی تھیں:

۱۔ ہمارے پیغمبر خدا کا نام یا لقب تعظیم سے اگر لینا نہ ہو تو اس طرح لکھیے: "تمہارے نبی یا مسلمانوں کے نبی' اور صیغہ افعال کے یا ضمائر ان کے متعلق آئیں تو بصیغہ جمع لکھئے۔ جیسا اہل زبان بولتے ہیں ورنہ ہم سے بات نہ کی جائے گی اور نہایت رنج ہو گا"۔

۲۔ جب پیغمبر خدا یا اسلام کی کوئی بات آپ کے نزدیک غلط ہو تو یوں لکھا کیجئے کہ یہ بات غیر واقعی ہے یا ثابت نہیں ہوتی یا محال نہ کہ جھوٹ اور بے ہودہ اور لغو ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اہل تہذیب اسی طرح گفتگو کرتے ہیں۔

۳۔ جب کوئی بات پوچھی جائے تو اس کے جواب کے لیے میعاد مقرر کر دی جائے۔ کوئی میعاد بھی ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

۴۔ ہمارے پیغمبر خدا کی نسبت تعظیم کے صیغے اردو کے محاورے کے مطابق اگر آپ کہیں گے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا یا جائے گا کہ آپ نے ان کو مان لیا۔

لیکن پادری صاحب اس بات پر آمادہ نہیں ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو لقب یا تعظیم سے مخاطب کرنا یا ان کے لیے جمع کی ضمائر استعمال کرنا اپنے لیے محال گردانا"[۶]۔

یاد رہے کہ پادری سی جی فانڈر ہندوستان میں مسیحی مناظرین کے سرخیل ہیں۔ ان کی شرافت و ظرافت نے انھیں ایک مذہب کے بانی اور رہنما کے احترام کی اجازت نہیں دی تو بقیہ عام مسیحی مناظرین کی ذہنی، نفسیاتی اور فکری حالت کیا ہو گی؟ اس رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ برصغیر میں اشاعتِ مسیحیت کے لیے مسیحیوں کی طرف سے کسی حوصلہ، برداشت اور تحمل و تدبر کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

اسلام جو تحمل اور رواداری کا مذہب ہے اس کے ماننے والوں کے ہاں مسیحیوں کا پہلا اسلوب تو قابلِ برداشت تھا مگر انہیں دوسرا اسلوب اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی، لہٰذا اسلام پر لگائے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے۔ اس ضمن میں نقلی و عقلی دلائل پر مشتمل تالیفات و رسائل تحریر کئے گئے۔ عوامی اجتماعات میں مسیحیوں کی دعوتِ مناظرہ کو قبول کیا گیا۔ ان مناظروں میں مسلم علماء نے مسیحی اعتراضات کے بہترین جوابات دیئے۔ نتیجتاً مسلم مناظرانہ ادب وجود میں آیا جو تالیفات، رسائل، اخبارات اور مناظروں کی تحریری رودادوں کی شکل میں موجود ہے۔ مذہبی تعلیمات کے میدان میں اس قابلِ فخر ادب کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ مسلم مناظرین نے مسیحی اعتراضات کا جواب نہایت مدلل انداز میں اس طرح دیا کہ مسیحی مناظرین اپنی تمام تر آسائشوں اور حکومتی تعاون کے باوجود ناکام و نامراد رہے۔

مسلم علماء کسی کمزوری یا تحفظات کا شکار نہیں ہوئے بلکہ ہر مسیحی اعتراض یا الزام کا مدلل، ہمہ جہت اور مفصل جواب دیا گیا۔ البتہ انہوں نے مسیحی پادریوں کے منفی اندازِ فکر کو اپنانے کے بجائے سنجیدگی، شرافت اور علمی انداز اپنایا۔ نیز پادریوں کی تدلیس، کذب بیانی اور الزام تراشی کو احسن طریقے سے واضح کیا۔

۲۔ مسلم علماء میں مطالعہ مسیحیت کے دو مختلف رجحانات

برصغیر میں مسیحی مناظرین کی سرگرمیوں سے قبل مسلم علماء کی تالیفات میں قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ اسلام ایسے موضوعات تک محدود انداز میں بحث کی جاتی تھی لیکن مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب کے منظر عام پر

آنے سے مسلم علماء نے مسیحی عقائد اور ان کے اثرات، مسیحی فرقوں، کلیسا اور اس کے سیاسی و مذہبی غلبہ کی تاریخ کو بھی زیرِ بحث لانا شروع کر دیا۔ یہ رجحان اس سے قبل کے مسلم علماء کی تالیفات میں نظر نہیں آتا۔

اس مناظرانہ ادب نے برصغیر میں علم و فکر کے ہر شعبہ کو براہ راست یا بالواسطہ طور پر متاثر کیا۔ مسلم تفسیری ادب پر دو طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ ایک طرف متجددین کا گروہ وجود میں آگیا جنہوں نے مسیحیت کے ایجابی اثرات کو قبول کیا اور تفسیری خدمات انجام دیں اور دوسری طرف راسخ العقیدہ علماء متحرک ہو گئے جنھوں نے مسیحیت کی تردید میں اعلیٰ تفسیری خدمات انجام دیں۔ برصغیر کے مسلم مفسرین میں سے سر سید احمد خاں (م۱۸۹۸ء)، غلام احمد پرویز (م۱۹۸۵ء)، علامہ رحمت اللہ طارق اور احمد الدین امرتسری (م۱۹۳۶ء) کا تعلق پہلے گروہ سے، جبکہ مولانا عبد الحق حقانی (م۱۳۳۵ھ)، مولانا ثناء اللہ امرتسری (م۱۹۴۸ء)، مولانا عبد الماجد دریابادی، سید ابو الاعلیٰ مودودی (م۱۹۷۹ء) اور پیر محمد کرم شاہ الازہری (م۱۹۹۸ء) کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے۔

برصغیر میں متجددین کے سرخیل سر سید احمد خان نے مسیحی مناظرانہ ادب سے متاثر ہو کر آزاد عقل پرستی کے رجحان کو فروغ دیا اور نئے علم کلام کو متعارف کرایا جس کی بنیاد "فطرت اور قوانین فطرت" پر تھی۔ آپ نے تدوین حدیث کے مختلف مراحل اور اس کی تاریخ پر شک کا اظہار کیا، اپنے تئیں خلافِ عقل احادیث کا انکار کیا اور خیال ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کو فطرت کے ذریعے ثابت کیا ہے نیز نبوت وہبی نہیں اکتسابی ہے۔ انہوں نے دعوی کیا کہ اسلام اور عقل مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں نیز قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نہیں جو سائنس اور جدید تمدن کے خلاف ہو۔ انہوں نے منسوخ آیات، معجزات، شقِ قمر، معراج النبی، ملائکہ، شیطان، جنات، جبرائیل کے ذریعے نزولِ وحی، سات آسمانوں کی موجودگی، عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے اور آسمان پر اٹھائے جانے، ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے، عصائے موسیٰ، یدِ بیضا، دعاؤں کے فوائد، بنی اسرائیل کے بندر بن جانے نیز جنت اور دوزخ کی حقیقت کا انکار کیا۔ سر سید احمد خان کے بعد متجددین میں غلام احمد پرویز کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے فہم اسلام کی روایتی فکر کو تسلیم نہیں کیا۔ ان پر مسیحی ادب کے واضح اثرات مرتب ہوئے۔ انہوں نے حجیتِ حدیث، معراج النبی، اطاعتِ رسول کی حجیت، معجزات انبیاء علیہم السلام، فرشتوں، جنات، نصابِ زکوٰۃ، عید الاضحیٰ کی قربانی، نماز کے روایتی مفہوم، جزاو سزا کے روایتی تصور اور عذابِ قبر کا انکار کیا۔

برصغیر کے متجددین کے انحرافی رویوں کا علمی و عقلی تعاقب راسخ العقیدہ علماء نے کیا۔ اس گروہ کے سرخیل مولانا عبد الحق حقانیؒ ہیں۔ انہوں نے تفسیر حقانی میں تعدّدِ اَزواج، معراج النبی، معجزات، قرآن مجید کی

تدوین،وجود باری تعالیٰ، جنت، دوزخ، وحی، یاجوج ماجوج اور دجال وغیرہ پر بحث کرکے سر سید کے اَفکار کا ردّ کیا۔ آپ سرسید کی "تفسیر القرآن" کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

"تفسیر القرآن آنریبل سرسید احمد خان بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے ان خیالات باطلہ کو جو ملحدینِ یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کے اتباع ان کے نزدیک ترقی قومی اور فلاحِ اسلام ہے، درج کیا ہے اور بے مناسبت آیات واحادیث واقوال علماء کو اپنی تائید میں لاکر الہامِ الٰہی کو تحریف کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب تحریف قرآن ہے نہ کہ تفسیر"(۷)۔

مولانا عبدالحق حقانیؒ کے بعد مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے "تفسیر ثنائی"، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے "تفسیر ماجدی"، سید ابوالاعلی مودودی نے "تفہیم القرآن" اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے "ضیاء القرآن" میں مسیحی افکار پر تنقید کرتے ہوئے دفاعِ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔

۳۔ مسلم علماء میں عقلی دلائل کے بھرپور استعمال کا رجحان

مسیحی مناظرین اسلام پر الزامات لگاتے ہوئے تورات، زبور، انجیل اور قرآن وحدیث کے حوالہ جات کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی دیتے۔ نتیجتاً مسلم مناظرین نقلی دلائل کے علاوہ عقلی دلائل کا بھی بھرپور استعمال کرتے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مسیحی مناظروں کا حال کتبِ تاریخ میں محفوظ ہے۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

"ایک بار ایک مشنری دہلی میں اقامت پذیر گورنر چارلس مٹکاف کے پاس آیا اور اس سے مناظرے کی خاطر کسی مسلم عالم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مٹکاف نے اس سے دوہزار روپے کی شرط باندھی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس لے گیا۔ پادری موصوف نے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ ہاں۔ پادری نے کہا تمہارے پیغمبر صاحب نے بوقتِ قتل حسین فریاد نہ کی، حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: "ہمارے پیغمبر فریاد کے لیے تشریف لے گئے تھے تو خدا نے فرمایا کہ تمہارے نواسے پر ظلم ہوا اور وہ شہید ہو گیا، لیکن اس وقت ہم کو اپنے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔ یہ سن کر ہمارے پیغمبر خاموش ہو گئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرے نواسے نہیں ہو سکتے، جب

اپنے بیٹے کی مدد خدا نے نہیں کی تو میرے نواسے کی مدد کیوں کرے گا؟ پادری صاحب شرط ہار گئے"[۸]۔

اسی طرح ایک انگریز اپنے ملازم سے کہا کرتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور یہ بات بہت آشکار ہے مگر تم مسلمانوں کو اس کا اعتقاد نہیں بلکہ انکار کرتے ہیں۔ وہ شاہ صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ ایک انگریز اس طرح سے کہتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم اس سے کہو کہ مجھے تو علم نہیں جو تم سے بحث کروں، ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے محاورے میں تین قسم کے بیٹے ہوتے ہیں۔ پوت، سپوت اور کپوت۔ پوت وہ ہے کہ جو کمالات میں باپ کے ہمسر ہو اور سپوت وہ ہے جو کمالات میں باپ سے بڑھ کر ہو اور کپوت وہ ہے جو ابتر ہو کہ اس کا باپ اس سے ناراض رہے۔ اب بتاؤ کہ تمہارے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ کس قسم کے بیٹے ہیں؟ اگر پوت ہیں تو بتاؤ کہ خدائے تعالیٰ نے تو یہ زمین وآسمان اور چاند وسورج پیدا کیے ہیں، عیسیٰ کے پیدا کئے ہوئے چاند اور سورج کہاں ہیں اور جو سپوت ہیں تو دکھاؤ کہ خدا نے ایک چاند اور ایک سورج پیدا کیا ہے، انہوں نے دو دو یا تین تین پیدا کئے ہوں گے تو دکھاؤ وہ کہاں ہیں؟ اگر کپوت ہیں تو ہم ان سے راضی نہیں۔ کیونکہ خود خدا تعالیٰ اس کا جب خوش نہ ہو تو ہم کس طرح ان کو مانیں۔ ملازم نے جب انگریز کو یہ جواب دیا تو وہ سن کر چکرا گیا اور نہایت شرمندہ ہوا کہ ایک جاہل ملازم نے اسے خاموش کر دیا[۹]۔

مسلم مناظرین میں ایک اور نام مولانا شرف الحق دہلویؒ کا ہے۔ آپ عبرانی، عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے۔ ۸ مارچ ۱۸۸۸ء کو غازی پور میں آپ کا پادری رونسن اور پادری ای پیٹرک، پرنسپل مشن کالج، غازی پور سے مناظرہ ہوا۔ پادری رونسن نے سوال کیا:

"وہ کونسی ضرورت تھی جو خدائے تعالیٰ نے پہلے توریت، انجیل کو نازل فرمایا اور اس کے بعد قرآن شریف نازل فرمایا؟ کیا وہ کتابیں اس قابل نہ تھیں کہ ان سے مخلوق خدا نجات حاصل کر لیتی؟ سب سے پہلے یہ بتائیں کہ ان میں کون سا نقص ایسا تھا جو ناقابل نجات قرار پائے اور جو نا قابل نجات ہوئی تو قرآن خدا کا کلام ہونے اور حضرت محمد صاحب کے رسول ہونے کے لیے کیا دلائل اور ثبوت اہل اسلام کے پاس ہیں؟ اگر آپ ہم کا محمد صاحب کو اللہ کا نبی اور رسول ہونے اور قرآن کا کلام ہونا ثابت کریں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے"[۱۰]۔

مولاناؒ نے جواباً اعتراض کو معترض پر لوٹا دیا کہ جو اعتراض رونسن نے قرآن پر کیا ہے، وہی اعتراض زبور اور انجیل پر بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو تورات بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، وہ نجات کروانے کے قابل تھی یا ناقابل؟ اگر قابل تھی تو زبور وانجیل نازل ہونے اور خلق خدا کی ہدایت کے لیے آنے کی

ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یہ کتب محض بے کار قرار پائی ہیں۔یوں مولانا نے تاریخی و علمی حوالہ جات کے ڈھیر لگا دیئے اور عقلی و نقلی دلائل سے کامیابی حاصل کی۔اس قسم کے ان گنت واقعات ایسے ہیں جن سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ برصغیر میں مسیحیوں نے اسلام کے خلاف مناظروں میں قرآن، حدیث اور کتب سماویہ کے حوالہ جات کے بجائے ناقص عقلی دلائل اور اٹکل پچو کا سہارا لیا۔ جبکہ مسلم علماء نے ان کے اعتراضات کے جواب عقلِ سلیم کے بہترین معیار کے مطابق دیئے۔

۴۔مذاہب کے درمیان تفہیم پیدا کرنے کا رجحان

برصغیر کا انگریز عہدِ حکومت (۱۸۵۷ء-۱۹۴۷ء) دنیا کے دو بڑے مذاہب، اسلام اور مسیحیت کے درمیان علمی، فکری، مذہبی اور سیاسی کشمکش کے حوالے سے بڑا اہم ہے۔ مسلم، مسیحی مناظرانہ سرگرمیاں اور ان کے مختلف پہلو اس تاریخی دور کی یادگار ہیں۔ان مناظرانہ سرگرمیوں میں مسلم علماء اور مسیحی پادریوں نے اپنے اپنے عقائد و نظریات کا بھرپور دفاع کیا مگر مذہبی دانش وروں پر مشتمل ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو مذکورہ دونوں مذاہب کے درمیان افہام و تفہیم اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔ اس ضمن میں سر سید احمد خان اور خواجہ حسن نظامی کے نام بڑے اہم ہیں۔دونوں کے افکار و خیالات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ سر سید نے مسیحی عقائد و تعلیمات کو سمجھنے اور عام کرنے کے لیے جہاں "تبیین الکلام" لکھی، وہیں مسیحیوں سے سماجی و سیاسی تعلقات کی بہتری کے لیے رسالہ "احکام الطعام لاہل الکتاب" تحریر کیا۔اس رسالہ میں آپ نے اہل کتاب کے کھانے کو، اگر وہ محرماتِ شرعیہ میں سے نہ ہو تو حلال و درست قرار دیا اور اس کا کھانا بھی مباح و جائز قرار دیا۔خواہ ان کے ہاں کھایا جائے یا ان کا بھیجا ہو کھانا اپنے گھر میں کھائیں۔خواہ اکیلے کھائیں یا اکٹھے ان کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھ کر۔ سماجی زندگی میں مسلم اور مسیحی لوگوں کا اختلاط سر سید کے ہاں نہ صرف جائز تھا بلکہ وقت کی سیاسی ضرورت بھی تھا۔

سر سید احمد خاں کے علاوہ خواجہ حسن نظامی اس طبقہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ کی معروف تالیف "تاریخ مسیح" آپ کی بے تعصبی اور مفاہمانہ طرزِ عمل کو واضح کرتی ہے۔ ان شواہد سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ برصغیر کا مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب اپنے اندر بہت سے مثبت پہلو بھی رکھتا ہے۔

۵۔مسلم علماء کی تصانیف میں تہذیب و شائستگی کا رجحان

مسیحی مناظرانہ ادب کا ایک قابلِ افسوس پہلو اس کی رکاکت، سطحیت، تدلیس، کذب بیانی اور بے جا الزام تراشی ہے۔اس کے برعکس مسلم مناظرانہ ادب سنجیدگی، شرافت، قطعیت اور علمیت کے اعلیٰ اوصاف سے

متصف ہے۔ مسیحی پادری پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کرتے تو جوابی کاروائی کے طور پر مسلم علماء مقدس مسیحی ہستیوں کے خلاف بات نہ کرتے تھے۔ پادریوں کا انداز الزامی جبکہ مسلم علماء کا انداز تحقیقی و تفہیمی ہوتا۔ مسلم علماء نے مسیحی پادریوں کی انتہائی مبہم، غیر واضح اور توہین آمیز تالیفات کے جواب میں تہذیب و شائستگی سے عبارت تالیفات تحریر کیں۔ سید محمد الحسنی، سید محمد علی مونگیریؒ کے طرزِ تحریر سے متعلق لکھتے ہیں:

"مولاناؒ کی تصنیفات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ عیسائیوں کے مآخذ اور ان کے مستند مؤرخین و مصنفین کے حوالہ سے ردّ کرتے ہیں۔ ان کا تاریخی مطالعہ اس موضوع پر بڑا وسیع معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ردِّ عیسائیت ہی پر اکتفا نہ ہو بلکہ اسلام کو ان کے سامنے دلنشین اور علمی طریقہ سے پیش کیا جائے اور مثبت پہلو بھی ان کے سامنے اچھی طرح واضح ہو کر آجائے"(۱۱)۔

خیر خواہی، انسان دوستی اور متانت و شرافت پر مبنی مسلم علماء کی ان تصانیف نے نہ صرف اسلامی عقائد کا دفاع کیا بلکہ برصغیر میں فروغِ اسلام کا باعث بنیں۔

۶۔ مسلم علماء میں اسلامی تعلیمات سے متعلق تحقیقی و تنقیدی تصانیف کا رجحان

برصغیر کا مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب مسلمانوں کے لیے بہت سے دروس و اسباق کا حامل تھا۔ مسلم علماء نے مناظرانہ تالیفات تحریر کرنے اور عملی طور پر مناظروں میں شریک ہونے کے علاوہ اسلامی تعلیمات سے متعلق تحقیقی و تنقیدی تصانیف تحریر کیں۔ اس ضمن میں سید سلیمان ندوی کی کتاب "ارض القرآن"، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کی کتاب "قصص القرآن" اور سید ابولاعلیٰ مودودیؒ کی کتب "الجہاد فی الاسلام" اور "خلافت وملوکیت" بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس اسلوب کی حامل کتب میں انتہائی غیر جانب داری، بے تعصبی اور تحقیق وجستجو کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس فکر کے حاملین کا دعویٰ ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کے اعتراض کرنے سے پہلے ہی ہمیں اپنی تاریخ و تعلیمات پر تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے "الجہاد فی الاسلام" کے ابتدائی صفحات میں ہی نہ صرف اسلامی تعلیمات کی تحقیق و جستجو پر زور دیا بلکہ دیگر مذاہب کے مطالعہ کے لیے ایک ضابطہ اخلاق بھی بیان کیا۔ پھر مختلف مذاہب سے اسلام کا موازنہ دلنشین انداز میں پیش کیا، اس سے قاری کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

۷۔ مسلم مناظرانہ ادب میں شاعری کا رجحان

برصغیر کے مسلم، مسیحی مناظروں نے علم وادب کے بہت سے پہلوؤں پر اثرات مرتب کئے۔ نثر کے میدان میں تو بہت سے مسلم علماء اور مسیحی پادریوں نے طبع آزمائی کی۔ البتہ شاعری کے میدان میں بھی بعض شخصیات نے بڑی خوبصورتی سے مناظرانہ ادب کو تشکیل دیا۔ اس ضمن میں ایک اہم نام مولوی فیروز الدین ڈسکوی (۱۸۶۴ء-۱۹۰۷ء) کا ہے۔ آپ کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔ آپ بیک وقت مدرس، عالم دین، مترجم ومفسرِ قرآن، لغت نویس، مناظر، مبلغ، سیرت وسوانح نگار اور اُردو، پنجابی، فارسی اور عربی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ فیروز تخلص کرتے تھے۔ آپ کے شعری سرمایے میں، مناجات فیروزی، نعت فیروزی، ایک سچے آریہ کی مناجات، ایک سچے مسیحی کی مناجات، نماز مترجم منظوم، پنج گنج الٰہی (سورۃ فاتحہ اور چہار قل کا منظوم ترجمہ وتفسیر) سورۃ فتح، سورۃ مزمل، سورۃ ملک اور سورۃ الضحیٰ کا اردو، پنجابی اور فارسی منظوم ترجمہ شامل ہے۔ علاوہ ازیں پیارے نبی ﷺ کے پیارے حالات، سیرت النبی ﷺ، سیرت المصطفیٰ ﷺ، اور متفرق رسائل میں بھی ان کے منظوم اردو، پنجابی، فارسی اور عربی آثار موجود ہیں۔ آپ نے مسیحی اعتراضات کا جواب شعری شکل میں دیا۔ "ایک سچے مسیحی کی مناجات" کی تخلیق کا سبب ان کا مناظرانہ جذبہ ہی تھا جس میں انہوں نے مسیحی عقائد کو خلافِ فطرت ثابت کر کے مسیحیوں کو دین اسلام کی طرف آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف قرآن کریم کی رو سے، نبی پاک ﷺ کا مرتبہ، سابق انبیاء کا مرتبہ، دین اسلام اور شعائر اسلام کی حقانیت کو موضوع بنایا ہے، آپ قرآن مجید اور دیگر الہامی کتب کا تقابلی جائزہ اپنے اشعار میں اس طرح لیتے ہیں:

واہ وہ عظمتِ کلامِ خدا — پست ہیں اس کے آگے سب عقلا
ہے فصاحت کا سر بسر شہرہ — اور ملاحت کا گھر بہ گھر چرچا
روحِ انسانی کا مربی ہے — کیا ہی شانِ کلام ربی ہے
گنگ ہیں اس کے آگے سب عقلا — کم زباں اس کے آگے سب حکما
طفلِ مکتب فلاسفہ سارے — ہے یہ خورشید اور وہ تارے
اس کا دعوی ہر اک دلیل کے ساتھ — اور ایک شوکتِ جلیل کے ساتھ
ہے جو اس کے بیاں میں تکمیل — کیا ہے توریت اور کیا انجیل
یہ حقائق کا اک سمندر ہے — ہر صداقت بس اس کے اندر ہے
بے سرا اس کے آگے وید کا غل — وید ہے بید بے ثمر باطل

ہے معارف کا بحرِ بے پایاں　　اور دقائق کا گوہرِ رخشاں
ہے خدا کا نہ جس طرح ہمتا　　ہے نہیں ہمسر کلامِ خدا
اس کی فیروز کیا کرے تعریف　　سر بسر ہے وہ لائقِ تعریف (۱۲)۔

آپ مسیحیوں کے عقیدہ تثلیث کا رڈیوں لکھتے ہیں:

بیٹا خدا کا کہتے ہو جب تم مسیح کو　　مریم کو کیا کہو گے تمہیں کچھ حیا نہیں
پیدا ہوا تھا باپ سے بیٹا، عجب ہے یہ　　پوتے سے پھر ہو بیٹا، کبھی یہ ہوا نہیں
حضرت مسیح عجز سے تھے مانگتے دعا　　جو خود خدا ہو وہ تو دعا مانگتا نہیں
کہتے ہو اس مسیح کو ابن خدا ہے　　جو موت کے بھی ہاتھ سے آخر بچا نہیں
عیسائیو! تمہارے عقیدے ہیں ایسے کیوں؟　　پردہ اگر تمہاری خرد پر پڑا نہیں (۱۳)۔

فیروز ڈسکویؒ کی مناظرانہ شاعری اس حقیقت کی مظہر ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے دفاع اسلام میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دی تھیں کیونکہ ایمان و عقیدہ اور محبت رسول سے بڑھ کر وہ کسی قیمتی متاع کے مالک نہ تھے۔

۸۔ مسلم شعراء، ناول نگاران، نقادوں اور افسانہ نگاران کی تعلیماتِ اسلام سے رغبت کا رجحان

برصغیر کے مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب نے ہر اہم صنفِ ادب کو متاثر کیا۔ اس کے دوررس اثرات مسلم شعراء، ناول نگاروں، نقادوں اور افسانہ نگاروں پر بھی بڑے واضح محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات و اقدار کے فروغ کے لیے باوقار اسلوب تخلیق کیا۔ مسلم شعراء الطاف حسین حالی، نذیر دہلوی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، نعیم صدیقی اور ڈاکٹر تحسین فراقی اس سلسلے کی اہم مثالیں ہیں۔ جنہوں نے وسیع پیمانے پر حمد، نعت اور منقبت ایسے اسلامی موضوعات کو شعری روایت کا حصہ بنا دیا۔ ناول نگاروں میں نسیم حجازی، ایم اسلم اور رئیس احمد جعفری کے نام بڑے اہم ہیں۔ خصوصاً نسیم حجازی نے اپنے ناولوں میں اسلام کی عظمتِ رفتہ کو پیش کیا ہے۔ محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی اور ٹیپو سلطان ان کے تاریخی ناولوں کے ہیرو ہیں۔ افسانہ نگاروں میں نعیم صدیقی، ابوالخطیب، اسعد گیلانی، جیلانی بی اے اور آثم مرزا اہم نام ہیں۔ تنقید کے میدان میں جن لوگوں نے مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب کے زیر اثر لکھا ان میں فروغ احمد، پروفیسر خورشید احمد، سید اسعد گیلانی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر عبد المصطفیٰ اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

۹۔ مسیحیوں میں اسلامی تعلیمات اوران کے خوشگوار اثرات سے متعلق تحقیقی تصانیف کا رجحان

برصغیر کی مسلم، مسیحی مناظرانہ کشمکش میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسیحیوں کے لیے بھی بہت سے دروس واسباق تھے۔ مسیحیوں کے ہاں فہمِ اسلام کے بعض رجحانات پیدا ہوئے جن کی تحسین کی جانی چاہیے۔ اس ضمن میں ایک اہم رجحان مسیحیوں کا اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب تحریر کرنا ہے، اس سلسلہ میں سردار مسیح گِل، ممبر پاکستان رائٹرز گلڈ کی کتاب "غیر مسلم املاک کا تحفظ (قرآن وسنت کی روشنی میں)" بڑی اہمیت کی حامل ہے، یہ کتاب پبلی کیشن سروس رجسٹرڈ، سمن آباد، لاہور سے ۱۹۸۰ء میں ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔ محترم سردار مسیح گل معروف صاحبِ علم وقلم شخصیت ہیں۔ آپ نے مسیحی ہونے کے باوجود اعلیٰ ظرفی اور بے تعصبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر خصوصی نظر کی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی اثر پذیری اور مسلمانوں کی غیر مسلموں سے رواداری اختیار کرنے کی روش کی وضاحت سردار مسیح گل "حرفِ آغاز" کے عنوان کے تحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اوراس کی اساس اسلام پر قائم ہے۔ دین اسلام سے ہٹ کر کوئی دوسرا "ازم" اس سے متصادم نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اسلام ازخود ایک مؤثر نظریہ حیات پیش کرتا ہے، اسلام نوع انسانی کی بہبود کا ضامن اور معاشرتی عدل وانصاف کا داعی ہے۔ اکثر وبیشتر مغربی مؤرخین نے اسلام کے بارے میں بے بنیاد غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں دوسروں کے لیے وسعت وکشادہ دلی کا فقدان ہے جبکہ تاریخی وتحقیقی شواہد اس کے برعکس ہیں۔ اسلامی مآخذوں کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلموں سے نہ فقط روادارانہ سلوک روا رکھا بلکہ فیاضانہ برتاؤ سے ان کے حقوق کی پاسداری کی۔ عہد نبوی کے واقعات اور خلفائے راشدین کی فقید المثال روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں غیر مسلموں کو کبھی کوئی گزند نہ پہنچائی بلکہ ہمیشہ انہی غیر مسلم رعایا کے مذہبی تشخص کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور کسی قسم کی دخل اندازی یا دل آزاری نہ کی"[۱۴]۔

کتاب ہذا میں فاضل مسیحی مصنف نے قرآن وحدیث کے علاوہ تفسیر، فقہ، سیرت، تاریخِ اسلام اور قدیم وجدید مسلم علماء کی کتب سے کثیر حوالہ جات دیئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مولانا محمد بخش مسلم، خطیب مسلم مسجد لاہور، علامہ احمد حسن نوری، کونسلر لاہور کارپوریشن، سید محمد عبد القادر آزاد، خطیب بادشاہی مسجد لاہور، مولانا محمد

اجمل، جامعہ رحمانیہ لاہور، مولانا عطاء اللہ حنیف خطیب مسجد تقویۃ الاسلام لاہور، اور پروفیسر حافظ محمود اختر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی تقاریظ درج ہیں جنہوں نے مصنف کی غیر جانب داری، بے تعصبی اور اعلیٰ ظرفی کی تصدیق کی ہے۔

۱۰۔ مسلم تعلیمی اداروں کا قیام

انگریز نے مسیحی مناظرین کی مدد کرنے اور ان کی منزل کو آسان کرنے کے لیے برصغیر کے دیسی نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کیں جن کا ایک اہم مقصد مقامی مسلمانوں میں اسلامی فکر وشعور کا خاتمہ تھا۔ اس ضمن میں انگریزی زبان اور مغربی علوم کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی نیز مسلمانوں کے پہلے سے قائم مدارس سے لوگوں کو بدظن کیا گیا، مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ پر روزگار کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ بعض مدارس کے ذرائعِ آمدن پر حکومت قابض ہو گئی۔ ان حالات میں مسلم علماء نے ضروری سمجھا کہ نئے خطوط پر تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جن سے فارغ التحصیل طلبہ ایک طرف اسلام کے سچے سپاہی ہوں تو دوسری طرف دورِ جدید کے تقاضوں کو سمجھ سکیں۔ یوں انگریز کا ۹۰ سالہ دورِ حکومت برصغیر میں مسلمانوں کے تعلیمی انقلاب کا دور تھا۔ اس انقلاب کو لانے میں حکومت نے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا بلکہ یہ مسلم علماء کی نگاہِ بصیرت کا فیضان تھا۔ بدلی ہوئی عصری ضروریات کے تحت مسلم تعلیمی اداروں کا جال پورے ہندوستان میں پھیلا دیا گیا۔ جہاں عقائدِ اسلامی کا دفاع کرنے والی مستقبل کی فوج تربیت پا رہی تھی، ان عظیم الشان تربیت گاہوں اور درس گاہوں میں دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ کالج، ندوۃ العلماء لکھنو، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (اعظم گڑھ) بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان اداروں کے اساتذہ انتہائی متقی و مخلص تھے، انہوں نے اخلاص، یک سوئی اور لگن کے ساتھ تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ان اداروں سے فارغ ہو کر علماء ملک میں ہر طرف پھیل گئے۔ ان ہزاروں علماء نے نہ صرف مسیحی مناظرین کا کامیاب تعاقب کیا بلکہ برصغیر میں ایک عظیم علمی، فکری، سماجی اور سیاسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

ان تعلیمی اداروں نے بہت بڑی تعداد میں ایسی شخصیات پیدا کیں جو علم و عمل، دین و سیاست اور اُمتِ مسلمہ کی قومی و دینی ضروریات کے حوالے سے مختلفُ النوع خصوصیات کی حامل تھیں۔ ان شخصیات نے تعلیم و تصنیف، تزکیہ نفوس، تہذیب اخلاق، افتاء و مناظرہ، صحافت وخطابت اور دعوت و تبلیغ کے میادین میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ برصغیر پاک وہند کی عظیم دانش گاہ "دارالعلوم دیوبند" کی خدمات واثرات کے ضمن میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درسگاہ ہے جس نے گزشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور علمی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کئے، دارالعلوم کی ابتداء ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی، کسے معلوم تھا کہ یہ یہاں ایک چشمہ فیض جاری کیا جارہا ہے جس نے برصغیر کی تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیا اور پھر اس درس گاہ سے علم وفضل کے ایسے آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے جنھوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درسگاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئیں ہیں اور ان دینی درسگاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا ہے بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے"(۱۵)۔

انگریز عہدِ حکومت میں قائم ہونے والے یہ مسلم تعلیمی ادارے مختلف انداز سے احیائے اسلام اور بیداریٔ ملت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ بھی ان اداروں میں سے ایک ہے۔ اس کے نصابِ تعلیم کے متعلق مولانا محمد علی جوہرؔ کا یہ خیال تھا:

"اس طرح پہلی مرتبہ علم دین و دنیا ایک ہی چھت کے نیچے جمع ہوں گے جس سے بلا شبہ دونوں منفعت پذیر ہوں گے اور مغائرت کا وہ پردہ جو دونوں کے درمیان حائل ہے اور جس نے علمِ دین کو بے حس اور علم دُنیا کو بے روح اور دوراز خدا بنا رکھا ہے، اٹھ جائے گا"(۱۶)۔

۱۱۔ مسلمانوں کے قائم کردہ مناظرانہ تربیت فراہم کرنے والے ادارے

مسیحیوں کے مناظرانہ حملوں کا جواب دینے کے لیے جہاں مسلم علماء نے تالیفات ورسائل تحریر کئے، وہاں اپنے طلبہ کو مناظرانہ تربیت فراہم کرنے کے لیے خصوصی ادارے بھی قائم کئے، ایسے ہی ایک تربیتی ادارے "انجمن تبلیغ الاسلام حیدر آباد دکن" کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے امداد صابری لکھتے ہیں کہ مذکورہ انجمن سے وابستہ مولانا عبدالہادی اور مولانا عبدالقادر کی مناظرانہ جدوجہد سے چھ ماہ میں ۱۲۰ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا جن میں سے انگریزوں کی تعداد نو تھی(۱۷)۔

۱۲۔ مسلمانوں کے جاری کردہ اخبارات ورسائل

مسیحی مناظرانہ ادب میں کتب ورسائل کے ساتھ ساتھ اخبارات بھی شامل ہیں، مسیحی اخبارات کے ذریعے نہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے بلکہ اسلامی عقائد کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بھی بناتے۔ ردِّ عمل کے طور پر

مسلمانوں نے بھی ایسے اخبارات جاری کئے جو توہین آمیز اور بے بنیاد الزامات کے جوابات دیتے۔ اس ضمن میں شملہ اخبار، معراج الاخبار، کشف الاخبار، رفیق ہند، منشور محمدی، ضیاء اسلام، اخبار الاخبار، رہبر ہند، جامع الاخبار، برق خاطف، کوہِ نور، مجمع البحرین، جام جمشید، ذوالقرنین اور مخبر دکن کے نام قابلِ ذکر ہیں (۱۸)۔

۱۳۔ مسلم عوام کی فہم اسلام سے رغبت

مسیحی مناظرانہ ادب نے مسلم عوام کو فہم اسلام کی جانب راغب کیا۔ جب آئے روز مسیحی مناظرین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف قابلِ اعتراض زبان استعمال کرتے تو ردعمل کے طور پر مسلمان اسلامی عقائد و نظریات کی طرف زیادہ معقول انداز میں راغب ہوئے۔ اس وجہ سے اسلامی تعلیمات اور ان کی افادیت کے بارے میں جامع تالیفات منظر عام پر آئیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اسلام، اجتہاد، اور تعلیم و تربیت کی اہمیت سے متعلق لکھی جانے والی کتب اس ضمن میں بڑی مفید ہیں۔

۱۴۔ مسلمانوں میں "مطالعہ بین المذاہب" کے شعور کی بیداری

برصغیر میں مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب نے اس ضرورت کا احساس بہت بڑھا دیا کہ مسلمانوں کو "مطالعہ بین المذاہب" کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور ان کی برتری کو واضح کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ دیگر مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہی حاصل کی جائے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی نفسیات کو سمجھے بغیر انہیں دعوتِ اسلام کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے اسلام پر لگائے گئے اعتراضات کا مناسب جواب دیا جاسکتا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں میں مطالعہ بین المذاہب کے شعور کی بیداری کا ہی اثر ہے کہ عہد حاضر کے علماء جب اسلام کے کسی بھی پہلو پر کوئی کتاب لکھتے ہیں تو اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے موقف کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانیؒ کی "تفسیر حقانی"، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی "تفسیر ثنائی" اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی "تفسیر ماجدی" برصغیر کے تفسیری ادب میں اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ اسی طرح سید سلیمان منصور پوریؒ کی "رحمۃ للعالمین"، شبلی نعمانیؒ کی "سیرت النبی ﷺ" اور پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی "ضیاء النبی ﷺ" علم سیرت کے میدان میں بڑی قابلِ قدر ہیں۔ ان کتبِ تفسیر و سیرت میں قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کے مباحث کے ساتھ ساتھ تورات، انجیل اور دیگر مذاہب کی بنیادی کتب کے حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی

اسٹڈیز اسلام آباد، پاکستان(IPS) کے زیر انتظام شائع ہونے والے دو اہم ماہنامے "عالم اسلام اور عیسائیت" اور "اسلام اور مغرب" اسی رجحان کے نمائندہ ہیں۔

۱۵۔ مسلمانوں کی مسیحی عقائد سے آگاہی

مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب نے مسلم علماء کے لیے مطالعہ مسیحیت کے بہت سے پہلو نمایاں کر دیئے۔انہوں نے مسیحی مناظرین کو تقریر وتحریر کے میدان میں شکست سے دوچار کرنے کے لیے تثلیث، کفارہ، ابنیت والوہیتِ مسیح اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت ایسے عقائد کے بارے میں تفصیلی تحقیقات کیں۔انجیل مقدس کی اصل حیثیت لوگوں پر واضح کی۔مسیحیوں کے فرقوں اور ان کے داخلی اختلافات کا مطالعہ کیا۔مسیحیت سے متعلق مسلم علماء کے تفصیلی مطالعات نے مسیحی مناظرین کے دعوؤں کی قلعی کھول دی۔مسلم عوام جو مسیحی مشنریوں کے ظاہری ہمدردانہ رویوں اور رفاہی اقدامات سے متاثر ہو رہے تھے، انھیں ان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔نتیجتاً مسلم عوام میں قبول مسیحیت کے امکانات نہ ہونے کے برابر رہ گئے۔

۱۶۔ مسیحیوں کی فرقہ واریت سے برصغیر کے مسلمانوں کی آگاہی

برصغیر کے ابتدائی مسلم، مسیحی مناظروں میں کیتھولک پادری مسیحیت کی نمائندگی کرتے تھے، بعد ازاں پروٹسٹنٹ بھی اس میں شامل ہو گئے۔یورپ میں جاری مسیحیت کی داخلی تقسیم یعنی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی باہمی کشمکش کا اظہار برصغیر میں بھی ان کی آپس کی رقابت سے ہوتا ہے۔ہندوستان میں سب سے معروف مسلم۔مسیحی مناظرہ پادری فانڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے درمیان ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو عبدالمسیح کٹہرہ، اکبر آباد (آگرہ) میں منعقد ہوا۔اس مناظرہ میں مولانا کے ساتھی ڈاکٹر وزیر علی تھے جب کہ مقابل پادری فانڈر کے ہمراہ پادری فرنچ تھے۔مناظرے کے موقع پر مسلم شخصیات میں مفتی حافظ محمد ریاض، مولوی فیض احمد، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ مختار راجہ بنارس، اور قمر الاسلام خطیب جامع مسجد اکبر آباد، منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار اور مولوی سراج الحق نمایاں تھے[۱۹]۔

ایورل پاول کے مطابق مسیحی مناظرین کو انگریزی حکومت کی تائید حاصل تھی۔اس وقت کے گورنمنٹ سیکریٹری سر ولیم میور، مسٹر موسلی اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر جارج کرسچین مشیر نظارت مالیہ، مسٹر ریڈلی سرکاری ترجمان مناظرے میں موجود تھے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرکاری اشیر باد کے باوجود فرنچ

اور فانڈر مقامی مشنریز کی معمولی حمایت ہی حاصل کر سکے، جب کہ امریکن اسر بپٹسٹ مشنریز اس مناظرہ کے منظر سے غائب رہے۔ ایورل پاؤل اسے مسلکی رقابت کا نتیجہ قرار ہوئے رقمطراز ہے:

"The other Agra-based American and Baptist missionaries do not appear to have attended, their absence perhaps reflecting the usual sectarian jealousies"(۲۰).

اس "رقابت" کا تذکرہ پادری برکت اللہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مسلمان علماء سٹراس فیورخ اور انگریزی ملاحدہ کی کتب مطالعہ کر کے اعتراض پیش کرتے تھے۔ افسوس اس امر کا ہے کہ معترضین کو یہ کتابیں آگرہ کی روی کلیسا کے اسقف اسر خادمان دین دیا کرتے تھے تاکہ پروٹسٹنٹ علماء کو نیچا دکھا سکیں۔ ان ملاحدہ کی کتب کے علاوہ انہوں نے مسلمان علماء کو کلیسا کی ابتدائی صدیوں کے بدعتیوں مثلاً مارسین، ابیونی، ایریس وغیرہ کی کتابیں بھی دیں اوران کے مضامین کو ان علماء کے ذہن نشین کرتے رہتے تاکہ بزعم خویش پروٹسٹنٹ خیالات کا پول کھل جائے ہم ان بشپوں اور دین کے خادمان کی ذہنیت پر حیران رہ جاتے ہیں" (۲۱)۔

یوں ان مسلم، مسیحی مناظروں سے مسلم عوام کو مسیحیوں کی باہمی فرقہ واریت کا اندازہ ہوا جس سے مسیحیت کو سمجھنے میں انہیں آسانی میسر آسکی۔

۱۷۔ بعض پادریوں کی طرف سے مسلم علماء کی علمی برتری کا اعتراف

مناظرہ میں فریقین کا عمومی رویہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو عقلی و نقلی دلائل سے شکست دے کر نیچا دکھایا جائے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فریقِ مخالف کی علمی حیثیت اور فضیلت کا اعتراف کیا جائے۔ برصغیر کی مسلم، مسیحی مناظرانہ سرگرمیوں میں بعض واقعات ایسے بھی ملتے ہیں کہ جب ایک فریق نے دوسرے فریق کی برتری اور عظمت کو تسلیم کر کے اس کا جرأت مندانہ اظہار بھی کیا۔ ۸ مارچ ۱۹۸۸ء کو غازی پور میں مولانا شرف الحق دہلوی کا مناظرہ، پادری رونسن اور پادری ای پٹیرک، پرنسپل مشن کالج، غازی پور سے ہوا۔ مولانا نے عالمانہ شان اور شرافت و ظرافت کے انداز میں تاریخی و علمی حوالہ جات پیش کیے۔ مولانا کے علمی مقام و مرتبہ کا اعتراف واقرار مناظرے کے آخر میں پادری صاحبان نے ان الفاظ میں کیا:

"ہم جناب مولوی صاحب کی اس دریافت پر آفرین نہیں بلکہ صد آفرین کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور دسترس پہنچائی ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ایسا ماہر اور جامع شخص ہمارے غازی

پور تشریف لایا۔ ہم میں اتنا علم اور اتنی لیاقت نہیں کہ جناب مولوی صاحب سے مقابلہ کر سکیں اور آپ کی ہر بات کا جواب دیں سکیں"[۲۲]۔

۱۸۔ مسیحیت کی تبلیغ کے لیے تبشیری سرگرمیوں کا فروغ

برصغیر میں مسلم، مسیحی مناظروں سے مسیحی تبشیری سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔ مسیحیوں نے عہدِ اکبری میں مغل دربار سے سفارتی تعلقات قائم کئے، مسیحیت کی اشاعت کے لیے مختلف مشن مختلف ممالک سے ہندوستان میں آئے جنھوں نے تقریر و تحریر کے علاوہ معاشرتی تبدیلی اور مفادات کی ترغیب کا سہارا لیا۔ مسیحیت کو مذہبی کے بجائے ایک سماجی تحریک کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس ضمن میں سماجی خدمت کو مسیحیت کا اصل ہدف قرار دیا گیا۔ دراصل ان سرگرمیوں کا اصل محرک یہ خیال تھا کہ حکومت کی سرپرستی میں مسیحیت کو فروغ دیا جائے۔ انگریز اور برصغیر میں ان کے اقتدار کو مضبوط بنایا جائے۔ اس کی تائید مسٹر مینگلس ممبر پارلیمنٹ کی اس تقریر سے ہوئی ہے جو اس نے ۱۸۵۷ء کے آغاز میں پارلیمنٹ کے دارالعوام میں کی، اس نے کہا:

"خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھلایا ہے کہ سلطنت ہندوستان سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تا کہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت کل ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہیے"[۲۳]۔

نتیجتاً برصغیر میں برطانوی حکومت نے مسیحیت کی اشاعت کے لیے بھرپور مدد فراہم کی، فروغِ مسیحیت کے لیے تبشیری سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت سید محمد میاں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے جب مدارس پر قبضہ کیا تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں برطانوی، امریکی، جرمنی، مسیحی نقادوں کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں بازاروں اور محلوں میں پھیل جاتی اور مسیحیت کی تبلیغ کرتی۔ سکول کھولے جاتے، ہسپتال کھولے جاتے۔ طالب علموں اور مریضوں میں نصرانیت کی حقانیت ثابت کی جاتی اور اسلام کی تکذیب و تحقیر کی جاتی اور ان کاموں میں حکمران بھی حصہ لیتے"[۲۴]۔

مسیحی مناد انسان دوستی کے نام پر مسیحیت کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء میں تعلیم کے نام پر حاکم اعلیٰ (کلکتہ) نے نصرانیت کا پراپیگنڈہ سکولوں میں شروع کر دیا تھا۔ اس زمانے میں کلکتہ میں لوٹ مار شروع ہوئی تو میر جعفر سے جرمانہ وصول کر کے کلکتہ میں فری سکول

قائم کیا گیا۔ اس کے مہتمم خود گورنر مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کی غرض وغایت یہ ہوئی تھی کہ اس میں ہر قوم کا وہ بچہ جس کی عمر پانچ سال سے دس سال تک ہوتی داخل ہو سکتا تھا۔ ہر طالب علم کے لیے لازم تھا کہ وہ مسیحی دعاؤں میں شریک ہو اور بائبل کی تعلیم ضرور حاصل کرے"[۲۵]۔

ان اقدامات کے نتیجے میں مشنری سوسائٹیاں اور سکول ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیئے گئے، اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ تمام مسلمانوں اور ہندوؤں کو مسیحی بنالیا جائے۔ نتیجتاً مقامی مذاہب کے لوگوں کو مسیحیت قبول کرنے کے لیے بہت سی ترغیبات دی گئیں۔

۱۹۔ مسیحیوں کے قائم کردہ مناظرانہ تربیت فراہم کرنے والے ادارے

انگریزوں نے مسیحیت کی تبلیغ کے ایک پہلو کے طور پر مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ ادب تشکیل دیا، اس ضمن میں تسلسل اور حکمت عملی کے اصولوں کا خیال رکھا گیا۔ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانوی پارلیمنٹ سے تبلیغ مسیحیت کی باقاعدہ اجازت چاہی لیکن برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان میں امن وامان کے پیش نظر ایکٹ ۱۸۱۴ء منظور کیا جس میں طے پایا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز پادریوں کے لیے ایک بشپ اور تین آرڈیکن مقرر کیے جائیں اور بشپ کا صدر مقام کلکتہ ہو گا[۲۶]۔

نتیجتاً ہندوستان بھر میں مختلف چرچ سوسائٹیاں قائم ہوئیں، ان کے عہدہ داران کو مراعات دی گئیں۔ ان سوسائٹیوں کے زیر انتظام ایسے ادارے قائم کئے گئے جن میں مسلمانوں سے مناظرہ کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ اس مناظرانہ تربیت کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

۱۔ مناظروں میں مسلمانوں کے اعتراضات کا جواب کس طرح دینا چاہیے؟

۲۔ غیر عیسائیوں کے اعتراضات کیا ہوتے ہیں؟

۳۔ غیر عیسائیوں میں روحانی ترقی کیسے ہو سکتی ہے؟

۴۔ مقامی عیسائیوں میں مذہبی ترقی کس طرح کی جائے؟[۲۷]

ان اداروں کے تمام اخراجات انگریز حکومت برداشت کرتی تھی۔

۲۰۔ مناظروں میں بعض عیسائیوں کا قبول اسلام

اکثر مناظروں کا وقتی انجام طعن وتشنیع، الزام تراشی اور لڑائی جھگڑا رہا ہے، اپنے نظریہ وعقیدہ پر قائم رہنے کو ہی مردانگی سمجھا جاتا رہا ہے، البتہ بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے دوسرا مذہب قبول کرکے

ہمت وجرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ۱۹۱۰ء مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور پادری جوالہ سنگھ کا لاہور میں "الوہیت مسیح" کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ پادری جو بھی دلیل پیش کرتا۔ مولانا اس کا رد پیش کر دیتے۔ یہاں تک کہ پادری نے گھبرا کر کہا۔ مولانا! میری کوئی دلیل توڑنے دیں، اس پر مجمع ہنس پڑا۔ اسی مجمع میں عیسائیوں کا ایک پورا خاندان عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا(۲۸)۔

اسی طرح ۱۹۲۶ء میں گوجرانوالہ میں مولانا کا مسئلہ توحید پر پادری سلطان محمد پال سے مناظرہ ہوا، آٹھ دس ہزار کا مجمع تھا۔ اس میں یورپین عیسائی بھی موجود تھے۔ مولانا کے پیش کردہ دلائل کا جواب جب پادری سلطان محمد سے نہ بن سکا تو وہیں ایک عیسائی نوجوان مسلمان ہو گیا(۲۹)۔

علاوہ ازیں مولانا امداد صابریؒ نے معروف مسلم مناظرین مولانا شرف الحقؒ، مولانا عبدالہادیؒ اور مولانا عبدالقادرؒ کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ ان کے مناظروں کی وجہ سے صرف چھ ماہ میں ۲۱۰ عیسائیوں نے اسلام قبول کیا، ان میں نو انگریز بھی شامل تھے(۳۰)۔

۲۱۔ تعلیمی اداروں کے اُسلوبِ تدریس پر اثرات

مسیحی مناظرانہ ادب میں مغربی افکار کی جھلک نمایاں تھی، ان افکار نے برصغیر کے نظامِ تعلیم پر واضح اثرات مرتب کئے۔ مخلوط تعلیمی ادارے، کنڈر گارٹن، پری سکول چائلڈ کیئر سنٹرز، تدریسی معاونات کا استعمال اور تربیت اساتذہ کی کلاسز اس کی اہم مثالیں ہیں۔ تعلیم و تدریس کے میدان میں آنے والی تبدیلیاں وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط ہوتی گئیں خصوصاً تقسیم ہند کے بعد وجود میں آنے والے نظامِ تعلیم میں مغربیت کے عناصر زیادہ شدت سے ظہور پذیر ہوئے۔ مغربی طرزِ تعلیم سے متاثر ادارے اب پاکستان بھر میں پھیل چکے ہیں۔ مسیحی مشنریز کے قائم کردہ سکول و کالج، بیکن ہاؤس سکول سسٹم، برن ہال سکول و کالج ایبٹ آباد اور پاکستان انٹرنیشنل سکول سسٹم اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

۲۲۔ جامعات کے تحقیقی مقالہ جات میں مطالعہ مسیحیت کا رجحان

مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب نے جامعات کے اساتذہ اور طلبہ کو مطالعہ مسیحیت کی جانب راغب کیا۔ اس وسیع علمی ذخیرہ کے زیر اثر اساتذہ نت نئے علمی و تحقیقی موضوعات اپنے طلبہ کو بتانے لگے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، مسیحیت میں حضرت ابراہیم و موسیٰ کا مقام، تثلیث، کفارہ، ابنیت والوہیتِ مسیح، مصلوبیت مسیح، تورات، زبور اور انجیل کی اصل حیثیت، مسیحی فرقے اور ان کے داخلی اختلافات اور برصغیر میں مسیحیوں کی

علمی، فکری، سیاسی، طبی اور رفاہی خدمات کے بارے میں جامعات میں مختلف کانفرنسوں، سیمیناروں اور کمرہ جماعت میں لیکچروں کے ذریعے طلبہ کی مطالعہ مسیحیت سے دلچسپی میں اضافہ ہوا۔ مطالعہ مسیحیت کے رجحان کی وضاحت پاکستانی جامعات کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات کے درج ذیل عنوانات سے ہوتا ہے:

ا۔ مذاہب باطلہ کے رد میں مؤلفین تفسیر ثنائی و حقانی کی کاوشیں (پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ) جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۳ء، مقالہ نگار: حافظ محمد اسرائیل فاروقی۔

۲۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ، (پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ) جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۰ء، مقالہ نگار: محمد عبداللہ۔

۳۔ اسلامی اور پاکستانی مسیحی قانون وراثت کا تقابلی جائزہ (ایم فل، علوم اسلامیہ)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، مقالہ نگار: مظہر فرید شاہ۔

۴۔ گوجرانوالہ میں مسیحی مشنری اداروں کا کردار اور مسلم معاشرے پر ان کے اثرات: تجزیاتی مطالعہ (ایم فل، علوم اسلامیہ)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، مقالہ نگار: حافظہ فرحت۔

۲۳۔ مغربی دانش گاہوں میں اردو کی تدریس و تحقیق کا رجحان اور اس کا پس منظر

برصغیر کے مسلم، مسیحی مناظرانہ ادب نے محض مقامی اہلِ علم و فکر کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اس کے اثرات ہندوستان سے باہر خصوصاً مغربی دنیا میں بھی ہوئے۔ چونکہ اس حساس مذہبی ادب کا زیادہ تر حصہ اُردو زبان میں تھا اس لیے اہلِ مغرب کو اردو سیکھنے کی فکر لاحق ہوئی۔ مغربی جامعات میں اُردو کی تدریس و تحقیق کے لیے خصوصی شعبہ جات قائم ہوئے۔ ان خصوصی شعبہ جات نے جن شخصیات کو اردو کی تعلیم و تربیت فراہم کی ان میں ایک قابل ذکر مثال معروف فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کی ہے۔ وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ فرانس میں رہتے ہوئے اردو زبان سیکھی اور تقریباً نصف صدی تک اس زبان کی تدریس و تصنیف میں مشغول رہا۔ اردو زبان کی جنم بھومی سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اس نے وہ عظیم کارنامے انجام دیئے کہ بڑے بڑے مقامی اہل قلم ان کی محض آرزو ہی کر سکتے تھے۔ اس زمانے میں انٹرنیٹ، فون، موبائل اور فیکس جیسی سہولیات میسر نہیں تھیں، پھر بھی اس نے "تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی" جیسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دے ڈالا۔ اس کے تصنیفی منصوبوں کے لیے مواد کی فراہمی کا واحد ذریعہ انگریز افسروں سے مراسلت اور ہندوستان سے موصول ہونے والے اخبارات و رسائل تھے۔ گارساں دتاسی اور اس جیسے بہت سے مغربی اہل قلم کا مادی ہدف برصغیر کی سیاست و تجارت ضرور تھی، مگر ان کی اردو زبان میں موجود مذہبی ادب سے غیر معمولی دلچسپی کے پس منظر میں ان کے مشنری جذبات

تھے۔ وہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اردو زبان کی تحصیل ضروری خیال کرتے تھے، جس سے اس اعتراض کو تقویت ملتی ہے کہ اردو زبان سے لگاؤ اور سرپرستی کے پیچھے اردو کی محبت کے بجائے ان کی عیسائیت سے محبت اور مقامی زبانوں میں تبلیغ کی خواہش پوشیدہ تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا جاسکے۔ گارساں دتاسی لکھتا ہے:

> "کلکتے کی 'کرسچن مشن' کے کلیسائی عہدے داروں نے دیسی عیسائیوں کی تعلیم کے لیے لاہور میں ایک مذہبی مدرسہ قائم کیا ہے، جہاں مبلغین کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔ یہاں تعلیم اردو زبان میں دی جاتی ہے۔ ان مبلغین کے لیے لاطینی زبان سیکھنا لازمی نہ ہوگا جیسا کہ کیتھولک مدرسوں میں دستور ہے۔ اگر کوئی کیتھولک مبلّغ مذہب لاطینی زبان سے واقف نہ ہو تو وہ اپنے عہدے سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ملک میں وہیں کی زبان عبادت کے لیے استعمال کی جائے" (۳۱)۔

اس بیان سے مسیحی پادریوں کی سرپرستی کرنے والے باصلاحیت اور متحرک اہل قلم کی نشاندہی ہوتی ہے جو زبان وادب اور تعلیم و تدریس کے نام پر مسیحیت کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے، وہ دیارِ مغرب میں بیٹھ کر مشنری سرگرمیوں اور ان کے مذہبی اداروں کے بارے میں نہ صرف متفکر رہے بلکہ مشاورت ورہنمائی بھی فراہم کرتے رہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ڈاکٹر گستاؤلی بان، تمدن ہند،(مترجم:سید علی بلگرامی)، کراچی ۱۹۶۲ء، ص:۲۔

۲۔ ظہیر الدین بابر، تزک بابری،(مترجم:مرزانصیر الدین حیدر)، کراچی ۱۹۶۲ء، ص:۳۴۳۔

۳۔انوار ہاشمی، تاریخ پاک وہند، کراچی ۱۹۷۴ء، ص:۳۶۔

۴۔Annie Besant, India: A Nation London, Edition-First P:18.

۵۔امداد صابری، فرنگیوں کا جال، فرید بک ڈپو، نیو دہلی، انڈیا،۲۰۰۸ء، ص:۱۸۳ ۔

۶۔م۔ن، ص:۲۱۲۔

۷۔عبدالحق حقانی، مقدمہ تفسیر حقانی، الفیصل ناشران،لاہور، سن ندارد، ۱/۱۲۸۔

۸۔امداد صابری، فرنگیوں کا جال، ص:۳۲۴۔

۹۔م۔ن، ص:۳۲۵۔

۱۰۔م۔ن، ص:۲۳۳۔

۱۱۔محمدالحسنی، سید، سیرت سید محمد علی مونگیری، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۶۳ء، ص:۶۰۔

۱۲۔ڈسکوی، فیروزالدین، مولوی، پیارے نبی کے پیارے حالات، جلد اول، سیالکوٹ، مفید عام پریس،۱۳۱۸ھ، ص:۸۔

۱۳۔فیروزڈسکوی، ایک سچے مسیحی کی مناجات، سیالکوٹ، پنجاب پریس،۱۹۰۶ء، ص:۱۲،۱۱۔

۱۴۔سردار مسیح گِل، غیر مسلم املاک کاتحفظ(قرآن وسنت کی روشنی میں)، پبلی کیشن سروس رجسٹرڈ، سمن آباد، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص:۱۸۔

۱۵۔بخاری، حافظ محمد اکبر شاہ، اکابر علمائے دیوبند، ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور،۱۹۹۹ء، ص:۷۔

۱۶۔سید محمد سلیم، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کانظام تعلیم وتربیت، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۲۸۴۔

۱۷۔امداد صابری، فرنگیوں کا جال، ص:۴۱۶۔۴۱۰۔

۱۸۔م۔ن، ص:۴۱۷تا۴۴۴۔

۱۹:۔سید عبداللہ، مباحثہ مذہبی، پہلا حصہ، مطبع منعمیہ، اکبر آباد ۱۲۷۰ھ، ص:۲۶۔

۲۰۔ Pwell, Muslims and Missionaries an Pre-Mutiny India, P:244.

۲۱۔برکت اللہ، پادری، صلیب کے علمبردار، ،پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی، لاہور، ۱۹۳۲ء، ص:۲۲۔

۲۲۔امداد صابری، فرنگیوں کا جال، ص:۲۳۷۔۲۳۶۔

۲۳۔ طفیل احمد، حکومت خود اختیاری اور ہندو مسلم مسئلہ کا حل، علی گڑھ،۱۹۳۸ء، ص:۱۵۲،۱۵۳۔

۲۴۔محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۹۲ء، ۲/۳۷۔

۲۵۔امداد صابری، مولانا، آثارِ رحمت، مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس، دہلی، س۔ن، ص:۳۷۔

۲۶۔ امداد صابری، فرنگیوں کا جال، ص:۱۰۸۔

۲۷۔ م۔ن، ص:۱۸۹۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو: ۱۔ الاعظمی، صفی الرحمن، فتنہ قادنیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ الافتاء، بنارس، انڈیا، ۱۹۷۹ء ص:۳۰۔

۲۔ فضل الرحمن بن میاں محمد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ، ۱۹۸۴ء ص:۱۷۲۔

۲۹۔ فضل الرحمن، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:۱۷۲۔

۳۰۔ امداد صابری، فرنگیوں کا جال ص:۴۱۲، ۴۱۰۔

۳۱۔ گارساں دتاسی، مقالات، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۶۴ء ۱/ ۶۲۔